Al-Azvā الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

ابن حزم کے معاشی افکار و نظریات
(عصرِ حاضر میں اطلاقی پہلوؤں کا تحقیقی مطالعہ)

Ibn e Ḥazm's Economic Views & Thoughts
(A Research Based Study of Applied Aspects in Contemporary Era)

محمد طلحہ حسین*
محمد عاطف اسلم راؤ**

Abstract:
Imām Ibn-e-Ḥazm was one of the great scholars and geniuses produced by Muslim Ummah. His huge and diverse literary works make him a Polymath. He was a Faqīh (jurist), Muḥaddith (Ḥadīth scholar), Mufassir (exegete of Qurān), Theologian, Thinker, Psychologist, Poet, Historian, Philosopher, Politician and Debater. The objective of this research is to explore the contributions of Ibn-e-Ḥazm in economics because he attained a distinct dignity as one of the best reformers in the economics and social fields. His economic thoughts brought a lot of positive changes in the society. The research also emphasizes on the role of the welfare state as well as the rich people in ensuring the needs of the needy people. The methodology used in the research is analytical and historical in nature and significance of the research lies in the fact that it revisits the famous book of Ibn-e-Ḥazm: -Al Muḥallah to elaborate his contributions in the field of the economic system of state and wellbeing of its residents.

***Keywords**: Ibn-e-Ḥazm's contributions; economic system; welfare state.*

خالقِ کائنات کی جانب سے عطافرمودہ اوصاف میں نظر و فکر اور شعور واستدلال عالمِ بشر کا خاصہ اور امتیاز ہیں۔ابتداہی سے غور وتدبر اور عقل کا استعمال انسانیت سے مطلوب رہااور قرآن وسنت میں بھی جابجااس کی تلقین دیکھنے کو ملتی ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

"اَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا"-[1]

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی، کراچی، پاکستان
** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی، کراچی، پاکستان

"بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔"

"وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا"۔[2]

"اور وہ کہ جب ان کو ان کے پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے بلکہ غور سے سنتے ہیں۔"

آیات سے مستفاد ہے کہ غور وتدبر مطلوب بھی ہے اور محمود بھی۔ دیگر اوصاف کی مانند غور وفکر اور شعور کی یہ صلاحیت بھی مقدار ومعیار کے لحاظ سے متنوع اور اسی تنوع نے نصوص کی تشریحات کے ضمن میں مختلف مسالک ومناہج کو جنم دیا ہے۔ قرآن وسنت میں اپنے اپنے مذاق ومزاج اور مختلف زاویوں سے استنباط واستخراج کی بدولت فقہی مسالک کا وجود عمل میں آیا جنہوں نے اپنے تئیں تشنگانِ امت کی سیرابی کا فریضہ ادا کیا۔ قبولِ عام چار فقہی مذاہب کو حاصل ہوا اور بعض وجوہات کی بنا پر کچھ فقہی مذاہب وقت کے دھارے میں بہتے چلے گئے۔ ان کی تعلیمات کا معتدبہ حصہ کتابی شکل میں میسر ضرور ہے تاہم ان کے پیروکار اور مقلدین آج نظر نہیں آتے۔ انہی معدوم مسالک میں سے ایک ظاہری مسلک ہے جس کی نسبت امام داؤد ظاہری کی طرف کی جاتی ہے لیکن اس کا مکمل تعارف امام ابن حزم کے بغیر ادھورا ہے۔ ابنِ حزم کی تصنیفات بالخصوص "المحلیٰ" ظاہری مذہب کی امہات الکتب میں شمار ہونے کے ساتھ ساتھ مذہب میں حدِ فیصل کا درجہ رکھتی ہیں۔ زیرِ نظر سطور میں ابنِ حزم کی اسی تصنیف المحلیٰ کے تناظر میں ان کے اقتصادی افکار کا جائزہ لیا جائے گا کہ وہ کس حد تک معاصر معیشت میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ مقالہ درج ذیل حصوں پر مشتمل ہوگا:

1: ابنِ حزم اور المحلیٰ کا مختصر تعارف ومنہج

2: ابنِ حزم کے معاشی افکار ونظریات اور ان کی معنویت

ابنِ حزم کا مختصر تعارف:

آپ کا مکمل اسم گرامی علی بن احمد بن سعید بن حزم اور کنیت ابو محمد ہے تاہم ابنِ حزم کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔ آپ فارسی الاصل اور اندلس کے شہری تھے۔ اپنے بیان کے مطابق 384 ہجری میں رمضان المبارک کی آخری رات بروز بدھ بعد از فجر اور قبل از طلوع قرطبہ میں پیدا ہوئے۔[3] والد چونکہ حاکمِ وقت کے دربار سے وابستہ تھے اس لیے مالی آسودگی میں بچپن گذرا اور تعلیم وتعلم کے بکثرت مواقع میسر آئے۔ اندلس میں مالکی مذہب کی ترویج واشاعت کی بنا پر اولاً فقہ مالکی سے استفادہ کیا، کچھ عرصہ فقہ شافعی سے وابستہ رہے اور بالآخر ظاہری مذہب سے منسلک ہو کر اس کی تدوین واشاعت میں عمر گذاری۔ فقہاء ومحدثین کی ایک

بڑی تعداد آپ کے اساتذہ میں شامل اور اسی طرح آپ سے مستفید ہونے والوں کی بھی ایک طویل فہرست ہے جسے مطولات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

تعلیم و تعلّم کے علاوہ ابنِ حزم معاصر عملی سرگرمیوں کا حصہ بھی رہے۔ تین بار وزارت کے منصب پر فائز ہونا اس کی واضح دلیل ہے۔[(4)] اپنی حیات میں جن مصائب وآلام کا سامنا کیا ان میں قید و بند، جلاوطنی اور تصانیف کا نذرِ آتش کیا جانا شامل ہے۔[(5)] لیکن ان سب کے باوجود علم و عمل کا یہ درخشاں ستارہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکتا رہا۔ آپ نے اکہتر سال اور گیارہ ماہ کی عمر میں 28 شعبان المعظم 456 ہجری بمطابق 15 جولائی 1065 عیسوی بروز اتوار وفات پائی۔ آپ کا شمار کثیر التصانیف مصنفین میں ہوتا ہے۔ ان کے بیٹے ابوالفضل کے بیان کے مطابق ان کے پاس اپنے والد کی اسی ہزار اوراق اور چار سو مجلدات پر مشتمل تصانیف موجود تھیں۔[(6)] البتہ الاحکام فی اصول الاحکام، الفصل فی الملل والنحل، الایصال، طوق الحمامۃ اور المحلیٰ بالآثار شرح المجلیٰ بالاختصار زیادہ مشہور ہیں۔

المحلیٰ کا مختصر تعارف و منہج:

فقہ ظاہری کے میسر مصادر میں سے اہم ترین "المحلیٰ" ہے جو امام ابنِ حزم کی ہی ایک اور تصنیف المجلیٰ کی شرح اور فقہ ظاہری کے دیگر مسائل کا مجموعہ ہے۔ مؤرخین نے اس کتاب کے مختلف نام ذکر کیے ہیں تاہم "المحلیٰ" قدرِ مشترک ہے اس لیے یہ کتاب اسی نام سے مشہور ہے۔ مرتبینِ فہارس نے اس کا نام "المحلیٰ بالآثار فی شرح المجلیٰ بالاختصار" نقل کیا ہے۔ کتاب کا بنیادی موضوع فقہ ہے لیکن بیانِ دلائل کے ضمن میں متعدد احادیثِ صحیحہ نقل کرنے کی بناپر یہ کتاب احادیث کا بھی ایک اہم ذخیرہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ کتاب گیارہ جلدوں اور 4388 صفحات پر مشتمل ہے۔ محمد بن محمد الکتانی کے بقول بیانِ مسائل و دلائل کے سلسلے میں ابنِ حزم نے المحلیٰ میں جو منہج اختیار کیا ہے اسے درج ذیل نکات کی صورت بیان کیا جا سکتا ہے:

- مسئلۃ کے عنوان سے ہر مسئلے کا آغاز کرتے ہیں۔
- اپنے لیے کنیت ابو محمد یا نام علی ذکر کرتے ہیں۔
- نفس مسئلہ ذکر کرتے ہیں اور استدلال میں آیات و احادیث نقل کرتے ہیں۔
- روایتِ حدیث کے سلسلے میں مکمل سند نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اگر کوئی حدیث متعدد طرق سے مروی ہو تو تمام مسانید طرق ذکر کرتے ہیں۔

- بعض اوقات اجماع سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ ابنِ حزم کے نزدیک محض اجماعِ صحابہ حجت ہے جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہو گا۔[7]

اس کے علاوہ جن امور کا التزام ابنِ حزم اپنی کتاب میں کرتے نظر آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1. بعض اوقات ایک ہی مسئلہ کے دلائل میں آیت، حدیث اور اجماع نقل کرتے ہیں اور بعض اوقات کسی ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔
2. دلائل کے بیان میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے آثار بھی نقل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ، مالک وشافعی ودیگر کی فقہ بھی بیان کرتے ہیں۔
3. فقہاء کی آراء اور بیانِ مذہب کے سلسلے میں قائل تک سند بیان کرتے ہیں اور بعد ازاں دلائل وبراہین کے ذریعے نقد وجرح سے کام لیتے ہیں۔

ابنِ حزم کے معاشی افکار ونظریات اور ان کی معنویت:

تاریخِ اسلامی میں ابنِ حزم جلیل القدر فقیہ ومحدث ہونے کے علاوہ ماہر اقتصادیات کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں۔آپ کی کتاب المحلیٰ بنیادی طور پر اگرچہ فقہ کی کتاب ہے تاہم اس میں آپ نے اسلامی نظمِ معیشت کو دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بالخصوص المحلیٰ کا معیشت سے متعلق حصہ ابنِ حزم کے معاشی فکر وتدبر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔آپ کی اقتصادی فکر معاشرے سے غربت وافلاس کے خاتمے اور معاشی بدحالی کو خوشحالی میں بدلنے کی قولاً داعی اور عملاً ساعی نظر آتی ہے۔ذیل میں ابنِ حزم کے معاشی نظریات کا جائزہ لے کر معاصر معیشت میں ان کے اطلاق کے امکانات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

کفالتِ عامہ کا وسیع اور جامع تصور:

باری تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے بلحاظِ معیشت افراد کے مابین فرق تو روا رکھا ہے جو در حقیقت نظمِ کائنات کی روانی کا موجب ہے تاہم حقِ معاش میں یکسانیت پیدا کر کے افراد کے مابین متوازن ومعتدل معاشی فضا قائم کی ہے۔

"نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا"[8]

"ہم نے ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کیا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے۔"

"هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا"[9]

"وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔"

"وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ"[10]

"اور ہم نے تمہارے لیے اوران لوگوں کے لیے جن کو تم روزی نہیں دیتے اس میں معاش کے سامان پیدا کیے۔"

"وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ"۔[11]

"اور اللہ نے رزق ودولت میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنارزق اپنے غلاموں کو تو دینے والے ہیں نہیں کہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو کیا یہ لوگ نعمتِ الٰہی کے منکر ہیں؟"

پہلی آیت معاشی تفاوت اوراس کی حکمت پر دلالت کرتی ہے کہ یہ فرق ایک دوسرے سے کام لینے کی بنیاداوراسی پر نظمِ حیات کا قیام ہے۔ جبکہ اگلی آیات میں بغیر تخصیص ہر فرد سے خطاب اسے ودائعِ الٰہیہ سے فائدہ اٹھانے کا برابر حق دیتاہے۔آیات سے یہ نتیجہ اخذ کیاجاسکتاہے کہ معاشی تفاوت اگرچہ ایک حقیقت تاہم امیر وغریب کی خلیج کو کم سے کم کر کے مستحکم معاشرہ کی بنیادر کھی جاسکتی ہے۔ریاست چونکہ معاشرے کی ایک بہترین اور منظّم شکل ہے اس لیے مستحکم ریاست کے قیام کے لیے فرداورریاست کا تعلق مضبوط خطوط پراستوار ہوناضروری ہے کہ ہر فرد استحکامِ ریاست کے لیے کوشاں رہے اور ریاست اپنی رعایا کی تمام تر ضروریات کی کفیل اور حقوق کی ضامن ہو۔معیشت فرد سے لے کر ریاست تک کی احتیاج اور ہر ایک کی فلاح وصلاح معاشی ترقی اور خوشحالی سے عبارت ہےاس لیے ایک مثالی نظمِ معیشت ہی افراد وریاست کو یہ مقام عطا کر سکتاہے۔ایک صالح معاشی نظام کاجو نقشہ ابنِ حزم ترتیب دیتے ہیں اس میں غریبوں کی کفالت کی ذمہ داری سب سے پہلے اغنیاء پر عائد ہوتی ہے کہ وہ بغیر کسی ریاستی دباؤ کے اپنازائداز ضرورت مال کفالتِ عامہ کے لیے خرچ کریں۔اگر وہ اس میں ٹال مٹول سے کام لیں تو حاکمِ وقت انہیں اس پر مجبور کر سکتاہے۔

"وفرض على الاغنياء من اهل کل بلد ان يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلک"۔[12]

"اور ہر شہر کے مالدارافرادپراپنے فقراء کی کفالت لازم ہے اور سلطان انہیں اس پر مجبور کر سکتاہے۔"

اس موقف پر ابنِ حزم کامستدل درج ذیل نصوص ہیں:

"وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا"-[13]

"اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کر اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔"

اسی طرح اہلِ جہنم سے جب سوال ہو گا کہ تمہیں کس چیز نے یہاں تک پہنچایا تو وہ بولیں گے :

"قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ"-[14]

"وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازیوں میں شامل نہ ہوئے۔اور نہ ہم فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے۔"

نیز جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من لایرحم الناس لایرحمه الله عزوجل"-[15]

"جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ عزوجل اس پر رحم نہیں فرماتا۔"

پہلی آیت مبارکہ میں صیغہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اور دوسری آیت میں اطعام المسکین کا فریضہ صلوٰۃ کے مقارن ذکر برابر اہمیت کا متقاضی ہے۔نیز کفالتِ غرباء سے اعراض صفتِ رحمت سے مانع ہے اس لیے ان جیسی تمام نصوص کا ظاہری تقاضا یہی ہے کہ مالدار افراد بقدرِ کفاف غرباء پر خرچ کریں چاہے وہ صدقاتِ واجبہ ادا کر چکے ہوں۔

کفالتِ عامہ کے ضمن میں ابنِ حزم ریاست کو اس بات کا حق دیتے ہیں کہ وہ ملکی وسائل کے صحیح استعمال کے ساتھ ساتھ مخصوص ہنگامی حالات میں امراء پر زائد ٹیکس کا نفاذ کر سکتی ہے جس سے مستحقین کی ضروریات کی تکمیل ہو۔اس ٹیکس کی تحدید و توقیت حاکم کی صوابدید پر موقوف اور مانعین پر زجر و توبیخ کا حق ریاست کو حاصل ہے۔المحلیٰ کی سابقہ عبارت میں"ویجبرهم السلطان علی ذلک "کے الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔ابنِ حزم کا یہ موقف دراصل ان کی اس رائے کا نتیجہ ہے کہ مالدار افراد کی دولت پر زکوٰۃ کے ماسوا اور حقوق بھی واجب ہیں۔اپنے اس موقف پر ابن حزم المحلیٰ میں متعدد روایات وآثار نقل کرتے ہیں جن سے وجوب اخذ کیا جا سکتا ہے۔[16]

ابنِ حزم کا یہ موقف کفالتِ عامہ کا وسیع تصور پیش کرتا ہے۔اس میں امت کے ہر ہر فرد سے مطلوب تعاون علی البر[17] کے عنصر کے ساتھ ساتھ اطاعتِ امیر کے منصوص ومؤکد حکم پر عمل بھی نظر آتا ہے۔[18] عصرِ حاضر میں یہ رائے معاشرے سے غربت وافلاس کا خاتمہ اور مؤاسات ومؤاخات کا اعلیٰ معیار قائم کر سکتی ہے۔نیز بہت سے معاشرتی مفاسد مثلاً چوری، ڈاکہ زنی وغیرہ کا سد باب بھی اس میں مضمر ہے۔

تجارتی منافع میں سے صدقاتِ واجبہ ونافلہ کی ادائیگی:

کفالتِ عامہ کے تصور کو وسعت دیتے ہوئے ابنِ حزم تجار کو اس بات کا پابند بناتے ہیں کہ وہ صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنے تجارتی منافع میں مستحقین کو بھی شریک کریں۔انسان کی تمام تر صلاحیتیں اور اس کو حاصل نعمتیں در حقیقت اللہ عزوجل کی عطا اور محض اس کا احسان ہیں۔ ہمارے پاس موجود ہر شی کا حقیقی واصل مالک باری تعالیٰ ہی ہے البتہ چند حقوق کی ادائیگی کی شرط پر ان سے انتفاع کا حق انسان کو حاصل ہے۔اموال پر من جانب اللہ لازم ہونے والے حقوق دو طرح کے ہیں۔صدقاتِ واجبہ جیسے زکوٰۃ اور عشر وغیرہ اور صدقاتِ نافلہ جیسے عطیہ، صدقہ وخیرات وغیرہ۔صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی بہر صورت شریعت کے مقرر کردہ نصاب، مصارف وشرائط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کرنا لازم ہے۔ نیز معاشرے سے غربت وافلاس کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ اہلِ ثروت اپنے اموال میں خالق کی طرف سے مقرر کردہ سائلین ومحرومین کے حق کو پہچانیں اور اپنے اموال میں سے ان کا حق نکالیں۔اس کے نتیجے میں مستحق ونادار افراد کی کفالت کے ساتھ ساتھ معاشرے میں بڑھتے معاشی جرائم اور غربت کی شرح کا سدباب بھی ممکن ہے۔اس مقصد کی خاطر صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی کے بعد ابن حزم تاجر حضرات پر اپنی کمائی میں سے حسبِ توفیق صدقہ وخیرات کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔لکھتے ہیں:

"وفرض على التجاران يتصدقوافي خلال بيعهم وشرائهم بماطابت به نفوسهم۔"[19]

"اور تاجروں پر خرید وفروخت کے دوران حسبِ رضا صدقہ لازم ہے۔"

شارع کی جانب سے حد درجہ ترغیب کی بنا پر ابن حزم فی نفسہ صدقہ کو لازم قرار دیتے ہیں البتہ اس کی مقدار کا تعین ہر فرد کی منشاء اور طیبِ نفس پر چھوڑتے ہیں۔فرضیت سے قطع نظر اس کی اہمیت وافادیت اور معاشرے سے غربت کے خاتمہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا کردار ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا ادراک عصرِ حاضر کا اہم تقاضا اور اس پر عمل وقت کی اہم ضرورت ہے۔ابن حزم کی رائے اس ضرورت کی تکمیل میں اپنا کردار بخوبی ادا کرتی ہے۔

گردشِ دولت کا جداگانہ نظریہ:

شریعتِ اسلامیہ گردشِ دولت اور عدمِ احتکار واکتناز کی زبردست حامی ہے اور معاشرے کے زیادہ سے زیادہ افراد کو ثمراتِ دولت سے مستفید کرنے کی خاطر اس امر کی حوصلہ شکنی کرتی ہے کہ دولت کی تقسیم چند ہاتھوں میں منحصر ہو کر رہ جائے۔ارشادِ ربانی ہے:

"كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ"۔[20]

"تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں (مال) انہی کے ہاتھوں میں گردش نہ کرتا رہے۔"

گردشِ مال کے اسی نظریہ کے پیش نظر ابنِ حزم جمہور کے بر عکس غیر وارث اعزاء واقارب کے لیے وصیت فرض قرار دیتے ہیں۔اس سلسلے میں سب سے پہلے ابن حزم کا متدل آیتِ وصیت ہے جس کے وہ عدمِ نسخ کے قائل ہیں۔

"كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِين"(21)

"تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آ جائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کر جائے اللہ سے ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے۔"

ابنِ حزم کے مطابق آیت کا ظاہر وصیت کی فرضیت پر دال اور وصیت ووراثت کے مابین تطبیق ممکن ہے اس لیے فرضیتِ وصیت کے حکم کو منسوخ قرار دینے کے کوئی معنی نہیں۔علاوہ ازیں ابنِ حزم ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے صاحب ِمال مسلم کے لیے وصیت کو لازم قرار دیا ہے۔چنانچہ اس حدیث کی بنا پر ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اپنا طرزِ عمل یہ بیان کرتے ہیں کہ :

"مامرت علی لیلة مذسمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ذلک الاّوعندی وصیتی"۔(22)

"میں نے جب سے آپ سے یہ سنا تو کبھی ایک رات ایسی نہیں گذری جس میں میرے پاس میری وصیت موجود نہ ہو۔"

گردشِ دولت کے اصول کو وسعت دیتے ہوئے ابنِ حزم تقسیمِ وراثت کے وقت موجود وارثین کے علاوہ دیگر اعزاء واقارب، یتامیٰ اور مساکین وغیرہ کو کچھ نہ کچھ دینا لازم قرار دیتے ہیں تاکہ دولت کے ثمرات سے مستفید ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو سکے۔اس سلسلے میں یہ آیت ابنِ حزم کا متدل ہے:

"وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا"(23)

"اور جب میراث کی تقسیم کے وقت غیر وارث رشتہ دار اور یتیم اور نادار لوگ آ جائیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو اور ان سے معقول بات کہو۔"

جمہور فقہاء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے لیکن ابنِ حزم بنا بر امر وجوب کا قول اختیار کرتے ہیں۔چنانچہ لکھتے ہیں:

"واذاقسم الميراث فحضرقرابة للميت اوللورثةاوريتامى اومساكين ففرض على الورثة البالغين وعلى وصى الصغار وعلى وكيل الغائب ان يعطواكل من ذكرناماطابت به انفسهم ممالايجحف بالورثة ويجبرهم الحاكم على ذلک ان ابوا"۔[24]

"اور جب میراث تقسیم ہو اور میت یا ورثاء کے رشتہ دار یا یتامٰی یا مساکین حاضر ہوں تو بالغ ورثاء پر اور نابالغ کے وصی پر اور غیر موجود کے وکیل پر لازم ہے کہ انہیں اپنی خوشی سے اس قدر دے دے جس سے ورثاء کا حق تلف نہ ہو۔ اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو حاکم انہیں مجبور کر سکتا ہے۔"

ابنِ حزم کے اس موقف میں معاشی توازن کے ساتھ ساتھ کفالتِ عامہ کا وسیع تصور اور ہمدردی، غمگساری اور دلجوئی کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔ اس رائے پر عمل سے معاشرے میں باہمی خیر سگالی کے جذبہ کو فروغ دینا اور اخوت و مودت کی راہ ہموار کرنا بھی ممکن ہے۔

میراث الجدۃ:

وراثت کے باب میں ابنِ حزم میراث الجدۃ کا جداگانہ نظریہ رکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ماں کی عدم موجودگی میں جدۃ ماں کے قائمقام ہوگی اور ماں کی مانند وراثت کی حق دار ہوگی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"والجدةترث الثلث اذالم يكن للميت ام حيث ترث الام الثلث وترث السدس حيث ترث الام السدس اذالم يكن للميت ام۔۔۔وكل جدة ترث اذالم يكن هنالک ام اوجدة اقرب منهافان استوين فى الدرجةاشتركن فى الميراث المذكور"[25]

"جس طرح ماں ثلث کی حقدار ہوتی ہے اس کے نہ ہونے کی صورت میں جدہ ثلث کی حقدار ہوگی۔ اور جس طرح ماں سدس کی حقدار ہوتی ہے اس کی عدم موجودگی کی صورت میں جدہ سدس کی حقدار ہوگی۔ (آگے چل کر) اور ہر جدہ وراثت کی حقدار ہوگی جب ماں یا قریب ترین جدہ موجود نہ ہو۔ سو اگر درجہ میں دونوں برابر ہوں تو مذکورہ میراث میں وہ شریک ہوں گی۔"

میراث الجدۃ کے سلسلے میں ابنِ حزم ان نصوص سے استدلال کرتے ہیں جن میں جدۃ کو ام کے مثل قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً آدم و حوا علیہما السلام کو انسانیت کے لیے والدین قرار دیا گیا ہے۔[26] ظاہر ہے کہ حوا علیہا السلام حقیقی ام نہیں بلکہ مثلِ ام ہیں۔ نیز ابن حزم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ اثر پیش کرتے ہیں جس میں وہ ماں

کی عدم موجودگی میں جدۃ کوماں کے مثل قرار دیتے ہیں۔[27] اسی طرح جمہور جو کہ اس مسئلہ میں ان کے خلاف ہیں کے دلائل پیش کرنے اور ان پر ردو قدح کے بعد ان الفاظ میں فیصلہ سناتے ہیں:

"ان الجدة احدالابوين فى القرآن وميراث الابوين فى القرآن فميراثهافى القرآن---وليس بمخالفنامتعلق اصلالابقرآن ولابسنة ولااجماع متيقن ولاقياس ولانظر"۔[28]

"بیشک جدۃ قرآن کے مطابق والدین میں سے ایک ہے اور والدین کی میراث قرآن میں مذکور ہے توجدہ کی میراث بھی قرآن سے ثابت ہے۔۔۔اور ہمارے مخالفین کے پاس مسئلہ سے متعلق کوئی اصل موجود نہیں نہ قرآن سے نہ سنت سے نہ اجماع متیقن سے اور نہ نظر وقیاس سے۔"

فریقین کے دلائل وجوابات سے قطع نظر ابنِ حزم کے موقف کے مطابق ماں کی عدم موجودگی کی صورت میں جدہ کو اس کے مثل اور وراثت کا حقدار قرار دینا مؤاسات وصلہ رحمی کی ایک عمدہ مثال ہے۔

عقودِ مالیہ میں گواہوں کے تقرر کا وجوب:

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 282 کی واضح تعلیم ہے کہ مالی معاملات بالخصوص ادھار لین دین کو بذریعہ گواہان اور تحریر مؤثق و مؤکد بنالیا جائے تاکہ مستقبل میں نزاع کا خدشہ باقی نہ رہے۔آیت مبارکہ کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے ابنِ حزم اشہاد وکتابتِ عقد کو لازم قرار دیتے ہیں جس سے بغیر عذر تغافل معصیت کے دائرے میں آتا ہے۔لکھتے ہیں:

"وفرض على كل متبايعين لماقل اوكثران يشهداعلى تبايعهمارجلين اورجلاوامرائتين من العدول فان لم يجدوا عدولا سقط فرض الاشهادكماذكرنافان لم يشهداوهمايقدران على الاشهادفقدعصياالله عزوجل والبيع تام فان كان البيع بثمن الى اجل مسمى ففرض عليهمامع الاشهادالمذكوران يكتباه فان لم يكتباه فقدعصياالله عزوجل والبيع تام فان لم يقدراعلى كاتب فقدسقط عنهمافرض الكتاب"۔[29]

"عاقدین پر لازم ہے کہ اپنے عقد پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں جو کہ عادل ہوں گواہ بنائیں معاملہ کم قیمت ہو یا زیادہ۔اگر وہ عادل گواہ نہ پائیں تو فرض ساقط ہو جائے گا جیسا کہ ہم نے کہا۔اور اگر قادر ہونے کے باوجود گواہ نہ بنائیں تو اللہ عزوجل کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے البتہ بیع تام ہو گی۔اور اگر مقررہ وقت تک ادھار معاملہ ہو تو گواہوں کے

ساتھ ساتھ ان پر معاملہ کی تحریر فرض ہے سو اگر وہ نہ لکھیں تو اللہ عزوجل کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے لیکن بیع پوری ہو گی اور اگر کاتب نہ پائیں تو فریضہ ساقط ہو جائے گا۔"

ابن حزم کی یہ عبارت درج ذیل امور پر روشنی ڈالتی ہے:

- خرید و فروخت کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا عاقدین پر گواہ بنانا لازم ہے جسے بغیر عذر ترک کرنا معصیتِ الٰہی ہے البتہ بوقت عذر فریضہ ساقط ہو جائے گا۔
- عقدِ بیع میں گواہی کا وہی عام نصاب ہے یعنی دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں۔
- اگر معاملہ مقررہ وقت تک ادھار ہو تو گواہان کے ساتھ ساتھ معاملہ کو ضبطِ تحریر میں لانا لازم ہے جسے بغیر عذر ترک کرنا معصیت شمار ہو گا تاہم بامر مجبوری فریضہ ساقط ہو سکتا ہے۔
- اشہاد و تحریر کا فریضہ عاقدین سے منسلک ہے کہ اس کے وجود و عدم سے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ عقدِ بیع بہر صورت مکمل رہے گا۔ عبارت میں موجود "البیع تام" کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک آیت چونکہ بر سبیل ارشاد وارد ہوئی ہے اس لیے اشہاد و تحریر کا یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی۔ چنانچہ باوجود قدرت گواہ نہ بنانے یا عدمِ تحریر کو معصیت سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ ان حضرات کے نزدیک اس حکم کو وجوبی قرار دینے میں حرج لازم آتا ہے جو کہ شریعتِ اسلامیہ میں ممنوع ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ"۔(30)

"اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا۔"

"وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ"۔(31)

"اور اس نے تم پر دین کی کسی بات میں تنگی نہیں کی۔"

اسی طرح سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ:

"ماخیررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امرین الااختارایسرھمامالم یکن اثمافان کان اثماکان ابعدالناس منه"(32)

"آپ ﷺ کو جب کبھی بھی دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کو منتخب فرمایا جب تک کہ اس میں گناہ کا پہلو نہ ہو۔ اگر اس میں گناہ کا پہلو نظر آتا تو آپ ﷺ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے۔"

ان جیسی نصوص کی بناپرہی شریعت کااساسی اصول ہے کہ مشقت آسانی کو کھینچ لاتی ہے۔[33] عقودِمالیہ چونکہ انسانی معاشرے میں بکثرت وقوع پذیر ہوتے ہیں اس لیے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں گواہوں کی شرط کولازمی قرار دیناباعثِ مشقت وابتلائے حرج ہےاور دونوں امور شریعتِ اسلامیہ کے تیسیر کے مزاج کے خلاف ہونے کی بناپر ممنوع ہیں۔ عصرِ حاضر میں اخلاقی گراوٹ اورامانت ودیانت کے معیار میں کمی کومدِ نظر رکھتے ہوئے ابنِ حزم کاموقف محتاط اور فوائد کاحامل معلوم ہوتاہے۔اس میں تنازعات کاسدباب اوربتقاضائے بشری نسیان کی صورت میں عقد کی تمام تر تفصیلات اور شرائط کابقااور تحفظ پایاجاتاہے۔اس پر عمل معاشرتی مفاسد کے خاتمے کے ساتھ ساتھ اموال الناس کی حفاظت کی ضمانت بھی ہے ۔چنانچہ عصرِ حاضر میں معاشی معاملات کی بہتری کے لیےابن حزم کی اس رائے پر عمل کیاجاسکتاہے۔

بیع مکرَہ کاعلی الاطلاق عدمِ جواز:

صحتِ بیع کے لیے ضروری ہے کہ بائع اور مشتری دونوں عقدِ بیع پر راضی ہوں کیونکہ بیع کے نتیجے میں ہرایک کی مملوکہ چیز اس کی ملکیت سے نکل کردوسرے کی ملکیت میں جائے گی اس لیے یہ امر باہمی رضامندی سے طے پانالازمی ہے۔نصوص بھی اس امر پر شاہد ہیں۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ"[34]

"مومنو!ایک دوسرے کامال ناحق نہ کھاؤہاں اگرباہمی رضامندی سے لین دین ہوتووہ جائزہے۔"

اسی طرح آپ ﷺ کے فرمان کامفہوم ہے کہ بیع کاانعقاد باہمی رضامندی سے طے پاتاہے۔[35] یہ نصوص بیع کے لیے باہمی رضامندی کولازم قرار دیتی ہیں ۔اس کالازمی نتیجہ نکلتاہے کہ کسی کوبیع پر ناحق مجبور کرنادرست نہیں ۔ایسی بیع کوکتبِ فقہ میں بیع مکرہ کے نام سے تعبیر کیاجاتاہے جو بالاتفاق ناجائزہے۔البتہ اگرجبرواکراہ جائزاور حق طورپر ہوتواس صورت میں بیع درست ہوگی۔ جیساکہ حاکمِ وقت کاٹال مٹول سے کام لینے والے مقروض کواپنے مال کے کچھ حصے کوبیچنے پر مجبور کرناجس سے قرض اداہوسکے۔یہاں جبرواکراہ ایک جائزاورضروری مقصد کی تکمیل کی خاطر پایاجارہاہے جس میں اموال الناس کاتحفظ بھی ہے اس لیے اس کی گنجائش اوربیع درست ہوگی۔ابنِ حزم کے نزدیک بیع مکرہ علی الاطلاق ناجائزہے جس کی صحت اورجواز کی کوئی سبیل نہیں سوائےاس کے کہ سابقہ عقد فسخ کرکے ازسرنوعقد کیاجائے۔اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"ولایحل بیع من اکرہ علی البیع وھومردودلقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عفالامتی عن الخطاوالنسیان ومااستکرھواعلیہ۔"(36)

"جس شخص کو بیع پر مجبور کیاجائے اس کی بیع حلال نہ ہوگی آپ ﷺ کے اس فرمان کی بناپر کہ اللہ نے میری امت سے خطا، بھول اور مجبوری کو معاف کر دیا ہے۔"

عبارت میں لفظ "لایحل" اور "مردود" سے یہی معلوم ہوتاہے۔ جبکہ احناف کے نزدیک اکراہ ختم ہونے کے بعد اگروہ شخص اجازت دے دے تو بیع درست ہو جائے گی۔ گویا کہ اجازت سے پہلے بیع موقوف رہے گی اور اجازت کی صورت میں بیع درست ہو جائے گی۔ اس کے لیے نیا عقد ضروری نہ ہوگا۔(37) بہر حال عاقدین کا باہمی طور پر عقدِ بیع پر راضی ہونا ضروری ہے جس کے بغیر بیع درست نہ ہوگی۔

اجارۃ الارض:

کسی چیز کے منافع کا بالعوض حصول اجارہ کہلاتاہے جوکہ منافع، عوض اور مدت کے علم کی شرط پر جائز ہے۔ اسی طرح اگر زرعی اراضی کے معلوم منافع معلوم مدت تک بالعوض حاصل کر لیے جائیں تو یہ اجارۃ الارض کہلاتاہے جس کی مشروعیت اور جواز پر جمہور فقہاء متفق ہیں۔(38) البتہ ابنِ حزم اجارۃ الارض کے قطعاً و مطلقاً عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ لکھتے ہیں:

"ولا تجوزاجارۃ الارض اصلالاللحرث فیھاولاللغرس فیھاولاللبناء فیھاولا لشی من الاشیاء اصلا لالمدۃ مسماۃ قصیرۃ ولا طویلۃولالغیرمدۃمسماۃلابدنانیرولابدراھم ولابشی اصلافمتی وقع فسخ ابدا"۔(39)

"اجارۃ الارض بالکل بھی جائز نہیں۔ نہ کاشت کے لیے نہ پودے لگانے کے لیے نہ تعمیر کے لیے اور نہ ہی کسی بھی چیز کے لیے نہ مدت معلومہ تک طویل ہو یا قصیر اور نہ مجہول مدت تک اور نہ دنانیر ودراہم کے عوض اور نہ کسی اور چیز کے عوض سوجب بھی عقدِ اجارہ کیا جائے گا فسخ شمار ہوگا۔"

عبارت سے واضح معلوم ہوتاہے کہ منافع، عوض اور مدت معلوم ہوں یا مجہول اجارۃ الارض بہر صورت ممنوع ہے۔ البتہ اگر زمین پر اجارہ سے قبل کچھ تعمیر کر لی جائے تو عمارت کے تابع ہو کر زمین کا اجارہ جائز ہوگا۔ لکھتے ہیں:

"فان کان فیھابناء قلا وکثر جاز استئجارذلک البناء و تکون الارض تبعا لذلک البناء غیرد اخلۃ فی الاجارۃ اصلا "(40)

"اگر اس میں تھوڑی یا زیادہ تعمیر ہو تو اس عمارت کا اجارہ جائز ہو گا اور زمین عمارت کے تابع ہو گی لیکن اصلاً اجارہ میں داخل نہ ہو گی۔"

دونوں عبارتوں کے حاصل کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ابنِ حزم کے نزدیک اجارۃ الارض تبعاً مشروع ہے اصلاً نہیں۔ اس ضمن میں ابنِ حزم کا مستدل وہ روایات ہیں جن میں کراء الارض سے ممانعت مذکور ہے۔ مثلاً جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کراء الارض یعنی زمین کو کرایہ پر لینے سے منع فرمایا ہے۔[41] اسی طرح جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"من كانت له ارض فليزرعها اوليزرعها اخاه ولايكرها"۔[42]

"جس کی زمین ہو اسے چاہیے کہ اس پر کاشت کرے یا اپنے بھائی کو کاشت کروائے اور اسے کرایہ پر نہ دے۔"

ان جیسی روایات کے تناظر میں ابنِ حزم اجارۃ الارض کی عدمِ مشروعیت کے قائل ہیں۔ رہا سوال کہ ابنِ حزم کے نزدیک زرعی اراضی سے انتفاء کی پھر کیا صورت ہو گی؟ تو اس سلسلے میں ابنِ حزم لکھتے ہیں کہ زمین سے درج ذیل تین صورتوں میں سے کسی ایک کے ذریعے انتفاء کیا جاسکتا ہے کیونکہ روایات سے انہی کی اجازت معلوم ہوتی ہے:

اول: زمین کا مالک اپنے بیج، خدمتگار اور آلات کے ذریعے خود کاشت کرے۔

دوم: کسی دوسرے کو بلا اجرت زمین عاریتاً دے کہ وہ اپنے بیج، خدمتگار اور آلات کے ذریعے کاشت کرے اور نفع اٹھائے۔

سوم: معلوم متناسب حصہ کے عوض زمین کاشت کے لیے کسی دوسرے کے حوالے کر دی جائے۔ ایسی صورت میں زمین ایک کی ہو گی اور بیج، خدمتگار اور آلات وغیرہ دوسرے کے۔ پیداوار کا نصف، تہائی یا چوتھائی (جو بھی طے ہو جائے) زمین کے مالک کا ہو گا اور بقیہ دوسرے کا۔ فصل بالکل نہ ہونے کی صورت میں کسی کے لیے کچھ لازم یا واجب نہ ہو گا۔[43]

جمہور فقہاء کے نزدیک کراء الارض کی ممانعت عام نہیں بلکہ مخصوص صورتوں میں ہے۔ مثال کے طور پر اگر عقدِ اجارہ میں زمین کا مالک متناسب حصے کے علاوہ اپنے لیے زمین کے مخصوص حصے کی شرط لگا دے تو ایسی صورت میں جمہور فقہاء بھی عدمِ جواز کے قائل ہیں کیونکہ اس صورت میں ایک کا یقینی نفع اور دوسرے کا یقینی نقصان ہے اس امکان کی وجہ سے کہ فصل صرف اسی مخصوص حصے پر ہو۔ ہاں متناسب حصہ پر عقد کے جواز سے

کوئی مانع نہیں۔روایات سے بھی اس چیز کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ :

"کنااکثرالانصارحقلاقال کنانکری الارض علی ان لناھذہ ولھم ھذہ فربمااخرجت ھذہ ولم تخرج ھذہ فنھاناعن ذلک واماالورق فلم ینھنا"۔[44]

"ہم انصار زیادہ تر کاشتکار تھے۔کہتے ہیں کہ ہم زمین کرایہ پر دیتے تھے اس شرط کے ساتھ کہ ہمارے لیے اس حصہ کی پیداوار ہوگی اوران کے لیے اس حصے کی۔سوبسااوقات ایک حصہ پر پیداوار ہوتی اور دوسرے پر نہ ہوتی توآپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایالیکن چاندی وغیرہ کے بدلے ہمیں منع نہیں فرمایا۔"

روایت سے ممانعت کی وجہ مخصوص ومعین حصے کی پیداوار کی شرط لگانامعلوم ہوتی ہے۔چنانچہ متناسب حصے کے عوض یاپھر رقم کے عوض زرعی اراضی کاعقدِاجارہ جائز ہوگا۔عصرِحاضر کی معیشت میں جمہور کی رائے ہی قابلِ عمل نظرآتی ہے۔موجودہ دور میں زرعی رقبہ جات لیز (Lease) پرلیے اور دیے جاتے ہیں۔اسی طرح لمبی مدت کے لیے زمین اجارہ پرلے کرکاشت یاتعمیر کے مقصد کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔اس سے جہاں اجیر اپنی معیشت بہتر بناتاہے وہیں مستاجراپنے حق اور ملکیت کوباقی رکھتے ہوئے کرائے کی مدمیں رقم وصول کرتارہتاہے یوں یہ عقد جانبین کی بہتری کاذریعہ بنتاہے۔ابنِ حزم کی رائے پر عمل مشقت اور حرج جوکہ شریعت میں ممنوع ہیں (سابقہ نصوص ملاحظہ ہوں) کاباعث ہونے کے ساتھ ساتھ فریقین کویہ معاشی تحفظ فراہم نہیں کرتااس لیے عوام الناس کی بہتری کے لیے جمہور کے موقف کے مطابق اجارۃالارض کے جواز کاقول ہی فوقیت رکھتاہے۔

حاصلِ بحث:

امام ابنِ حزم ظاہری مسلک کے ممتاز فقیہ، محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ماہرِمعیشت کے طورپر بھی معروف ہیں۔ظاہری مکتبِ فکر کاتعارف آپ کے بغیرادھوراسمجھاجاتاہے۔آپ کی کتاب "المحلیٰ" آپ کی اقتصادی فکرکی عکاس اورترجمان ہے۔آپ کاپیش کردہ معاشی خاکہ انتہائی احتیاط اورمعاشرے کے تنگدست وضرورتمندافراد کی کفالت پر مبنی ہے۔مجالِ معیشت میں وجوبِ وصیت، بوقت تقسیمِ میراث حاضراقارب کوکچھ نہ کچھ دینے کاحکم، میراث الجدۃ،ماسوازکوۃصدقاتِ واجبہ کاتصوراور تجار کواپنے منافع میں مستحقین کوشریک کرنے کاتاکیدی حکم اسلام کے گردشِ دولت کے نظریہ میں وسعت پیداکرنے کے ساتھ ساتھ مؤاساۃومؤاخاۃ کابہترین عملی مظہرہے۔اسی طرح عقودِمالیہ میں گواہوں کے تقرراور تحریرِمعاہدہ کولازمی قراردیناباہمی مناقشات

ومعاشرتی مفاسد مثلاً چوری، ڈاکہ زنی اور دھوکہ دہی وغیرہ کا سد باب کرتا ہے۔ان نظریات کی بدولت ابنِ حزم ایک مثالی نظمِ معیشت کی داغ بیل ڈالتے ہیں جو فرد اور ریاست کی خوشحالی اور معاشی استحکام کی ضمانت ہے۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ معاصر معیشت میں ان کا اطلاق کثیر اور دور رس فوائد کا باعث ہے۔البتہ اجارۃ الارض کے سلسلے میں جمہور کے برعکس موقف مشقت وحرج پر مبنی ہونے کی بناپر معاصر معیشت میں اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر ہے اس لیے اس مسئلہ میں جمہور کا موقف ہی فوقیت رکھتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1. سورۃ محمد 24:47
2. سورۃ الفرقان 73:25
3. ابوزہرۃ، محمد، ابن حزم حیاتہ وعصرہ آراؤہ وفقہہ، القاہرۃ، دارالفکر العربی، 1978ء، صفحہ 20
4. ابوصعیلیک، محمد عبد اللہ، الامام ابن حزم الظاہری امام اہل الاندلس، دمشق، دارالقلم، طبع اول، 1415ھ، 1995ء، صفحہ 22
5. ابوزہرۃ، ابن حزم، صفحہ 53،52
6. ابوالقاسم، صاعد بن احمد، طبقات الامم، مطبوعۃ بیروت، 1912ء، صفحہ 76
7. دیکھیے: الکتانی، محمد بن محمد الحسنی، معجم فقہ ابن حزم، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، طبع اول، 2009ء، صفحہ 18
8. سورۃ الزخرف 32:43
9. سورۃ البقرۃ 29:2
10. سورۃ الحجر 20:15
11. سورۃ النحل 71:16
12. ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، المحلیٰ بالآثار، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، طبع ثالث، 1424ھ، 2003ء، جلد 4، صفحہ 281
13. سورۃ الاسراء 26:17
14. سورۃ المدثر 74:44،43
15. مسلم، ابن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، ریاض، دارالحضارۃ للنشر والتوزیع، طبع ثانی، 1436ھ، 2015ء، کتاب الفضائل، باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال وتواضعہ وفضل ذلک، (2319) صفحہ 757، رقم 66
16. دیکھیے: ابن حزم، المحلیٰ، جلد 4، صفحہ 281

17. سورۃ المائدۃ 2:5
18. روایات میں اطاعتِ امیر کا حکم دیا گیا ہے اور امیر کی نافرمانی کو عصیانِ الٰہی و رسول سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دیکھیے: البخاری، الجامع الصحیح، ریاض، دار الحضارۃ للنشر والتوزیع، طبع ثالث، 1436ھ، 2015ء، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالی اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم، رقم الحدیث 7137، صفحہ 1139
19. ابن حزم، المحلیٰ، جلد 7، صفحہ 598
20. سورۃ الحشر 7:59
21. سورۃ البقرۃ 180:2
22. مسلم، صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، رقم 4-1627، صفحہ 525
23. سورۃ النساء 8:4
24. ابن حزم، المحلیٰ، جلد 8، صفحہ 346
25. ایضاً، جلد 7، صفحہ 291
26. سورۃ الاعراف 27:7
27. دیکھیے: ابن حزم، المحلیٰ، جلد 8، صفحہ 292
28. ایضاً، جلد 8، صفحہ 293
29. ایضاً، جلد 7، صفحہ 224
30. سورۃ المائدۃ 6:5
31. سورۃ الحج 78:22
32. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ریاض، دار الحضارۃ للنشر والتوزیع، طبع ثانی، 1436ھ، 2015ء، کتاب الادب، باب فی العفو والتجاوز، صفحہ 600، رقم 4785
33. کتب الاصول میں یہ قاعدہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے "المشقۃ تجلب التیسیر"۔ علی حیدر، درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، ریاض، دار عالم الکتب، 1423ھ، 2003ء، جلد 1، صفحہ 35
34. سورۃ النساء 29:4
35. ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، ریاض، دار الحضارۃ للنشر والتوزیع، طبع ثانی، 1436ھ، 2015ء، کتاب التجارات، باب بیع الخیار، رقم 2185
36. ابن حزم، المحلیٰ، جلد 7، صفحہ 510

37. دیکھیے: المرغینانی، برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر، الہدایۃ، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، طبع اول، 1417ھ، جلد6، صفحہ 416
38. دیکھیے: المرغینانی، الہدایۃ، جلد6، صفحہ 281
39. ابن حزم، المحلیٰ، جلد7، صفحہ 13
40. ایضاً، جلد7، صفحہ 13
41. القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب کراء الارض، رقم87، صفحہ 491
42. ایضاً، کتاب البیوع، باب کراء الارض، صفحہ 491، رقم92
43. دیکھیے: ابنِ حزم، المحلیٰ، جلد7، صفحہ 44
44. صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب کراء الارض بالطعام، صفحہ 494، رقم117